OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com

تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے: ایک تحقیقی مطالعہ

Tafseer bil-Ma'thur and Tafseer bil-Ra'y: A Research Study

Muhammad Akhtar Abid
Ph.D. Research Scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi.
Email: qabid647@gmail.com

Dr. Muhammad Ishaq
Assistant Professor, Department of Usooluddin, University of Karachi.
Email: dr.ishaqalam@gmail.com

Received on: 08-04-2025 Accepted on: 10-05-2025

Abstract

Tafsir bil-Ma'thoor and Tafsir bil-Ra'i are two fundamental methodologies of understanding the Quran.Tafsir bil-Ma'thoor involves interpreting the Quran based on reports from the Quran itself, Hadith, and statements of the Sahabah (companions of the Prophet) and Tabi'in (followers of the companions). This methodology relies on narrations, caution, and the approach of the early generations, avoiding personal opinion. It is considered the foundation of Quranic interpretation, and without it, any Tafsir is considered incomplete.On the other hand, Tafsir bil-Ra'i is a method where the interpreter uses reasoning, intellectual effort, linguistic analysis, and modern scholarly principles to explain the Quran, highlighting its comprehensiveness and relevance to contemporary issues. This method allows for intellectual flexibility and responding to modern challenges but carries the risk of excessive interpretation or misunderstanding.A balanced approach is to base Tafsir on Tafsir bil-Ma'thoor while using Tafsir bil-Ra'i as a guiding tool, ensuring that reason is used appropriately. This balanced methodology is the true legacy of the Salaf and righteous scholars.

Keywords: Tafsir bil-Ma'thoor, Tafsir bil-Ra'I, Understanding the Qur'an, Tafseer, Mufasir.

تعارف:

تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے قرآن فہمی کے دو بنیادی مناہج ہیں، تفسیر بالماثور میں قرآن کی تفسیر قرآن، حدیث، صحابہ اور تابعین کے اقوال کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ یہ منہج روایت، احتیاط اور سلف کے فہم پر مبنی ہوتا ہے، جس میں ذاتی رائے سے گریز کیا جاتا ہے۔ تفسیر بالماثور قرآن فہمی کی اساس ہے اس کے بغیر کوئی بھی تفسیر ناقص سمجھی جاتی ہے۔ دوسری جانب تفسیر بالرائے وہ طریقہ ہے جس میں مفسر عقل، اجتہاد، لغت، سیاق وسباق اور جدید علمی اصولوں کی مدد سے قرآن کی تشریح، جامعیت اور اس کی ہمہ گیریت کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ منہج فکری وسعت اور دور جدید کے سوالات کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کے تقاضوں کی ہم آہنگی کو واضح کرتا ہے مگر اس میں تاویل کی زیادتی یا غلط فہمی کا خطرہ بھی رہتا ہے۔

ایک متوازن منہج یہی ہے کہ تفسیر بالماثور کو بنیاد بنایا جائے اور تفسیر بالرائے کو اس کے تابع رکھتے ہوئے عقل کو رہنمائی کے لیے استعمال کیا جائے، یہی منہج سلف اور صالح مفسرین کا حقیقی وارث ہے۔ اسی علمی توازن اور اصولی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، میں نے اپنے مضمون کا عنوان ''تفسیر بالماثور و تفسیر بالرائے: ایک تحقیقی مطالعہ'' منتخب کیا ہے۔

تفسیر کی لغوی تعریف:

تفسیر باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے اور اس کا ماخذ فَسُر ہے جو فَسَر یفسر یا فسر تفسیر سے مصدر کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں کسی مبہم و مجمل بات کی وضاحت کرنا یا کسی مخفی چیز سے پردہ اٹھانا۔ تفسیر کے بھی یہی معنی ہیں البتہ یہ اس میں مبالغے کی خاصیت بھی ملحوظ رہتی ہے، پیشاب کے ٹیسٹ کو "رتفسرہ" کہتے ہیں اس لیے کہ اس سے مرض کی تشخیص ہوتی ہے۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الفسرکشف المغطى والتفسير كشف المراد عن اللفظ المشكل۔(1)

''فسر کے معنی ہیں کسی پوشیدہ چیز سے پردہ اٹھانا اور تفسیر کے معنی ہیں کسی مشکل لفظ کے مفہوم و مراد کو ظاہر کرنا۔''

مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

الفسرالإِبَانَةُ كشف المغطى كا التَّفْسِيرِ وَالْفِعْلُ كَضَرَبَ وَنَصَرَ۔(2)

''فسر کے معنی ہیں ظاہر کرنا اور پردہ اٹھانا اور تفسیر کے بھی یہی معنے ہیں، اس کا فعل ضرب یَضْرِبُ اور نَصَرَ ینصر کے باب پر آتا ہے۔''

لفظ تفسیر بیان اور وضاحت کے معنوں میں خود قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔(3)

''یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ دلیل آپ کو بتادیں گے۔''

کسی جواب کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایک تو وہ سوال کی جڑ کاٹنے والا ہو، صحیح اور درست ہو اور دوسری خوبی یہ کہ وہ صاف و شفاف اور واضح ہو جسے سمجھنا بڑا آسان ہو، اس آیت میں بالحق میں پہلی خوبی کی طرف اشارہ ہے اور اَحْسَنَ تفسیراً میں دوسری خوبی کی طرف اشارہ ہے۔ مذکورہ لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ لغت کے اعتبار سے تفسیر کا لفظ ہر قسم کی وضاحت کیلئے استعمال ہوتا ہے خواہ آسمانی کتاب کی وضاحت ہو یا انسانی کتاب کی وضاحت ہو، خواہ حق کی وضاحت ہو یا باطل کی وضاحت ہو اور خواہ محسوس مادی چیز کو ظاہر کرنا ہو یا الفاظ کے معانی و مفاہیم کو ظاہر کرنا ہو۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف:

لغوی مفہوم کے اعتبار سے تو تفسیر کا اطلاق ہر قسم کی وضاحت پر ہوتا ہے لیکن اہل اسلام کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآن کی تشریح و توضیح کے ساتھ مخصوص ہے یہاں تک کہ حدیث رسول کی تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاتا بلکہ شرح الحدیث کہا جاتا ہے۔

تفسیر کی فنی اور اصطلاحی تعریف میں سب سے زیادہ مختصر، صاف اور جامع و مانع تعریف وہ ہے جو زرقانی نے "مناہل العرفان" میں درج ذیل

انداز میں ذکر کی ہے:

والتفسير فى الاصطلاح علم يبحث فيه عن القرآن الكريم من حيث وَلَا لَته على مُراد الله تعالى يقدر الطاقة البشرية۔(4)

"اصطلاحی اعتبار سے تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآنِ کریم کے بارے میں اس پہلو سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منشا پر کس طرح دلالت کرتا ہے، انسانی طاقت کی حد تک۔"

تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن پاک کی آیات کی وضاحت کی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مراد کو سمجھا جاسکے۔ یہ کام انسانی طاقت اور صلاحیت کے مطابق کیا جاتا ہے، کیونکہ کوئی بھی مفسر اللہ کے اصل مقصد کو پورے یقین کے ساتھ نہیں جان سکتا، بلکہ وہ دلائل اور قرائن کی روشنی میں کوشش کرتا ہے۔

تفسیر کی خصوصیات:

۱۔ قرآن کی تشریح: اس میں الفاظ، جملوں اور آیات کے معنی، مراد اور پیغام کو واضح کیا جاتا ہے۔

۲۔ علم القرائات اور رسم الخط سے فرق: تفسیر کا تعلق معانی اور مفہوم سے ہے، نہ کہ صرف الفاظ کے پڑھنے یا لکھنے سے۔

۳۔ انسانی کوشش: مفسر اپنی عقل، علم اور تحقیق کے ذریعے قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اگر وہ غلطی کر بھی دے تو نیک نیت کی وجہ سے اسے اجر ملتا ہے۔

مثال کے ساتھ وضاحت:

جیسے قرآن میں "أَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (نماز قائم کرو) آیا ہے۔ ایک مفسر اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتائے گا کہ نماز کب فرض ہوئی، کیسے پڑھی جائے، اس کے شرائط کیا ہیں وغیرہ، یہ تفسیر ہے۔ اگر کوئی صرف یہ بتائے کہ اس لفظ کو "أقيموا" کیسے پڑھا جائے (مثلاً مد کے ساتھ یا بغیر مد کے)، تو یہ علم القرائات ہوگا، تفسیر نہیں۔

دوسرے نمبر پر علامہ زرکشیؒ کی تعریف ہو سکتی ہے، جو کہ درج ذیل ہے:

التفسير علم يُعْرَفُ بِهِ فَهُمْ كِتَابُ الله المنزل عَلَى نَبيه محمدٍ وَبَيَانُ مَعَانِيهِ وَاسْتَخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحِكَمِيه۔(5)

"تفسیر وہ علم ہے، جس کے ذریعے اللہ کی اس کتاب کا فہم حاصل ہوتا ہے جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، جس کے ذریعے اس کے معانی کی وضاحت ہوتی ہے اور جس کے ذریعے اس کے احکام اور حکمتیں معلوم کی جاتی ہیں۔"

اس تعریف کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ علم تفسیر کے ذریعے قرآن پاک کے مفاہیم و معانی، قوانین واحکام اور ان احکام کے مصالح و حکم معلوم کیے جاتے ہیں، علم القرائت اور علم رسم الخط دونوں اس تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں۔ مفہوم کے لحاظ سے زرقانی اور زرکشی دونوں کی تعریفیں یکساں ہیں۔ دونوں کے درمیان صرف الفاظ کا اختلاف ہے، مفہوم دونوں کا ایک ہے، زرکشی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ علم اللغہ علم

النحو، علم الصرف، علم البیان، علم القرآن، علم اصول الفقہ، علم تفسیر کے مدد و معاون علوم میں شامل ہیں، اور تفسیر کرتے وقت ناسخ و منسوخ اور سبب نزول معلوم کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

معروف مفسر ابو حیان اندلسیؒ نے علم تفسیر کی ایسی تعریف کی ہے جس میں اس علم کے مدد و معاون علوم بھی شامل ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ آپؒ فرماتے ہیں:

التفسیرعلم یبحث فِیهِ عَن كَيْفِيَّةِ النطق بالفاظ الْقرآن مدلولاتہاوأَحْكَامِہَا الافرادية والتركيبية ومعانہا التی تحمل عَلَيْہَا حَالَةُ التركيب وتنمَّاتِ لِذَالِک۔(6)

"تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآنی الفاظ کے تلفظ کی کیفیت، اُن کے معانی و مفاہیم، ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن پر یہ الفاظ ترکیبی اور تالیفی حالت میں محمول کیئے جاتے ہیں اور جس میں ان تینوں کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔"

ابو حیان نے اپنی اس تعریف کے الفاظ و قیود کا خود ہی تجزیہ اس طرح کیا ہے:

- علم: یہ جنس ہے جو تمام علوم کو شامل ہے۔
- کیفیۃالنطق: یہ علم القرائات ہے جس کی علم تفسیر میں ضرورت پڑتی ہے۔

احکامہا الإفرادية والتركيبيةنطق۔(7)

"ان (قرآنی الفاظ) کے انفرادی اور ترکیبی احکام۔"

یہ شامل ہے علم صرف، علم الاعراب اور علم البیان وبدیع کو جن کی ضرورت پڑتی ہے۔

معانہا التی تحملُ عَلَيْہَا حَالَةُ التركيب: اس میں الفاظ کے مجازی معانی بھی آجاتے ہیں اس لئے کہ ترکیبی حالت میں بعض اوقات کسی مانع کی وجہ سے حقیقی معانی کی بجائے مجازی معانی مراد ہوتے ہیں جو ظاہری معانی کے خلاف ہوتے ہیں۔

تماتِ لِذَالِکَ: اس میں ناسخ و منسوخ، شان نزول اور قرآن کے مبہمات کی وضاحت کے لئے قصوں اور حکایات کی تفصیلات شامل ہیں۔

اس تعریف میں ان تمام امور کا ذکر کیا گیا ہے جن کی تفصیلات قدیم مفسرین اپنی تفاسیر میں بالعموم بیان کرتے ہیں۔ مثلاً: قراءتوں کی تفصیلات اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اُن کے ذریعے الفاظ کے معانی و مفاہیم پر روشنی پڑتی ہے اور قرائات کے اختلاف کی وجہ سے بعض اوقات معنی کے تعین پر بھی اثر پڑتا ہے۔ الفاظ مفردہ کے لغوی معانی کا ذکر بھی مفسرین کرتے ہیں اس لیے کہ لغوی معانی کا فہم قرآنی آیات کا مقصد و مراد معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کیونکہ قرآن عربی لغت میں نازل ہوا ہے۔

انفرادی احکام سے مراد الگ الگ الفاظ کا مادہ اشتقاق اور ان کے اوزان صرفی ہیں۔ مثلاً: کیا یہ لفظ اسم ہے یا فعل ہے؟ اسم ہے تو مشتق ہے یا جامد ہے؟ فعل ہے تو ماضی ہے یا مضارع معلوم ہے یا مجہول؟ اور اس کا باب کونسا ہے؟، الفاظ کے معانی میں ابواب و اوزان کی خاصیات کو ملحوظ رکھنے کے لیے ان امور کو جاننے کی تفسیر میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے مفسرین علم صرف کے ان قواعد و ضوابط کا ذکر بھی بقدر ضرورت

اپنی تفاسیر میں کرتے ہیں۔ ترکیبی احکام سے مراد وہ معانی ہیں جو الفاظ کی ہیئات ترکیبیہ یعنی جملوں اور فقروں سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً: کیا یہ جملہ انشائیہ ہے یا خبریہ؟ فعلیہ ہے یا اسمیہ؟ اس پر موکدات داخل ہوئے ہیں یا نہیں؟ حصہ و قصہ پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کے دوسرے امور کا ملحوظ رکھنا جملے اور فقرے کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کیلیے ضروری ہوتا ہے اس لیے مفسرین علم نحو اور علم البیان، کے اصول و ضوابط کا بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ترکیبی حالت سے مراد الفاظ و کلمات کی تالیف و ترکیب کا مجموعی نظم ہے۔ سیاق و سباق کیسا ہے اور فحوائے کلام کیا ہے؟ اور اس کے اعتبار سے کونسے معانی و مفاہیم مراد لیے جا سکتے ہیں۔

تتمات سے مراد ہے قرآنی آیات کا پس منظر یعنی شانِ نزول مجمل باتوں کی تفصیل اور نسخ یا عدم نسخ معلوم کرنا۔

ان تمام امور کا ذکر چونکہ مفسرین کرتے رہتے ہیں اس لیے اس تعریف میں ان کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں لیکن بہترین اور واضح تعریف وہی ہے جو زرقانی نے کی ہے۔(8)

علماء کی تعریفات:

علم تفسیر میں "تفسیر" سے مراد قرآن کریم کے الفاظ، معانی، احکام اور مقاصد کو واضح کرنا" ہے۔

امام زرکشیؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں:

علم معرف به فهم كتاب الله المنزل على نبيه محمد الله و بيان معانيه واستخراج احكامه وحكمه۔(9)

''یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو سمجھا جاتا ہے، اس کے معانی بیان کیے جاتے ہیں اور اس کے احکام و حکمتیں اخذ کی جاتی ہیں۔''

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

التفسير فى الاصطلاح علم يُبحث فيه عن كيفية النطق بألفاظ القرآن ومد لولا تها و أحكامها للإفرادية والتركيبية۔(10)

''اصطلاح میں تفسیر وہ علم ہے جس میں قرآن کے الفاظ کے تلفظ، ان کے معانی، ان کے انفرادی و مرکب احکام پر بحث کی جاتی ہے۔''

تفسیر بالماثور کی لغوی تعریف:

"ماثور" عربی لفظ "أثر" (نقل، روایت) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "منقول یا روایت شدہ چیز" ہیں۔

ابن منظور (لسان العرب، مادہ "أثر") میں لکھتے ہیں:

ا لأثر: ما بقى من رسم الشیء۔(11)

''اثر کسی چیز کے باقی ماندہ نشان کو کہتے ہیں۔''

تفسیر بالماثور کی اصطلاحی تعریف:

تفسیر بالماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جو مندرجہ ذیل ذرائع سے حاصل ہو:

۱۔ قرآن کی تفسیر قرآن سے (ایک آیت کی وضاحت دوسری آیت سے)۔

۲۔ احادیث نبویہ (رسول اللہ ﷺ کے تفسیری بیانات)۔

۳۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال (جو قرآن کی تفسیر میں نقل کیے گئے ہوں)۔

۴۔ تابعین کے اقوال (اگر وہ صحابہ سے منقول ہوں)۔

علماء کی تعریفات:

امام طبریؒ اپنی تفسیر "جامع البیان عن تأویل آی القرآن" کے (مقدمہ) میں فرماتے ہیں:

أولى التفسير بأن يتبع ما ثبت بنقل العدول عن الرسول ﷺ أو الصحابة۔(12)

''سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ یا صحابہؓ سے ثابت نقل پر مبنی ہو۔''

امام ابن تیمیہؒ "مقدمہ فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:

أصحُّ الطرق فى التفسير أن يُفسَّر القرآن بالقرآن، فما أُجمل فى مكان فُصِّل فى آخر، وما أُبهم فى موضع فُسِّر فى غيره، فإن لم تجده فبالسنة، فإنها شارحة للقرآن وموضحة له۔(13)

''تفسیر کی سب سے صحیح راہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، پھر سنت سے، کیونکہ وہ قرآن کی شارح ہے۔''

امام سیوطیؒ "الاتقان فی علوم القرآن" میں بیان کرتے ہیں:

التفسير المأثور ہو ما رُوى عن النبیﷺ أو الصحابة أو التابعين فى بيان معنى الآية۔(14)

''تفسیر ماثور وہ ہے جو نبی ﷺ، صحابہ یا تابعین سے آیت کے معنی کی وضاحت میں منقول ہو۔''

علامہ زرقانیؒ "مناہل العرفان" میں لکھتے ہیں:

التفسير بالمأثور ہو التفسير الذى يعتمد على النقل الصحيح عن النبى ﷺ أو الصحابة أو التابعين۔(15)

''تفسیر بالماثور وہ تفسیر ہے جو نبی ﷺ، صحابہ یا تابعین سے صحیح نقل پر مبنی ہو۔''

تفسیر بالماثور کی اقسام:

علماء نے تفسیر بالماثور کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے۔ مثال:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِين (سورۃ الفاتحہ: 1) کی تفسیر وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض (سورۃ الروم: 18) سے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ(سورۃ الفاتحہ:1)کی وضاحت رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا(سورۃ الشعراء:23)میں ہے۔(16)

۲۔ تفسیر القرآن بالسنۃ:

قرآن کی تفسیر حدیث نبوی ﷺ سے۔ نبی کریم ﷺ قرآن کے سب سے بڑے شارح تھے۔ آپ ﷺ نے قرآن کے متعدد مقامات کی وضاحت فرمائی۔ مثال:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ(سورۃ الانعام:28)صحابہ کرامؓ نے "ظلم" کا مطلب گناہ لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد "شرک" ہے اور قرآن کی آیت إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ(سورہ لقمان:13)کی آیت پڑھی۔(17)

۳۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ:

قرآن کی تفسیر صحابہ کرامؓ کے اقوال، فہم اور بیانات سے۔ صحابہ کرامؓ چونکہ قرآن کے نزول کے عینی شاہد اور مخاطب تھے، اس لئے ان کے اقوال تفسیر میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ مثال:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ(سورۃ النصر:1)حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ سورہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ہے، کیونکہ اس میں آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کا اعلان ہے۔(18)

۴۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین:

مشہور تابعین مفسرین میں مجاہد بن جبر، قتادہ بن دعامہ، عکرمہ، الضحاک اور حسن بصری کا شمار ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ تابعین کی تفسیر (اگر وہ صحابہؓ سے منقول ہو) تو قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے، کیونکہ تابعین نے صحابہ کرامؓ سے براہِ راست علم حاصل کیا اور انہی کے اقوال و تعلیمات کی روشنی میں قرآنِ مجید کی تفسیر کی۔ مثال:

امام مجاہد کا وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا(سورۃ النساء:35)کی تفسیر میں "طلاق کے اختلاف" کو بیان کرنا۔(19)

تفسیر بالماثور کی ترقی اور اس کے مختلف مراحل:

ذیل میں تفسیر بالماثور کے ارتقائی سفر کے اہم ادوار بیان کیے جا رہے ہیں:

۱۔ روایت کی ابتدا کا مرحلہ: جب صرف رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن کی تشریح کی جاتی تھی۔

۲۔ روایت کا دائرہ وسیع ہوا: صحابہ کرامؓ نے جو باتیں نبی ﷺ سے سنیں، وہ آگے بیان کیں۔

۳۔ تابعین کا دور: تابعین نے صحابہؓ سے یہ تفسیری روایات سن کر آگے نقل کیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تفسیر بالماثور ایک ایسا علمی ذخیرہ ہے جو رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ اور تابعین کے توسط سے قرآن کے معانی کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں تفسیری روایت کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے اور روایتی تفسیر کے مختلف درجات اور طبقات سامنے آتے ہیں۔

بعض روایت میں ملتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ قرآن مجید کی تفسیر کرنے سے گریز کرتے تھے، اور جب ان سے کسی آیت کی تفسیر کے متعلق

سوال کیا جاتا تو وہ جواب دینے سے احتراز کرتے یا خاموش ہو جاتے، اس ڈر سے کہ کہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے متعلق وہ بات نہ کہہ دیں جو اس کے منشاء کے خلاف ہو۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ قرآن کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث، سابقہ آیات قرآن، اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے براہ راست منقول تھا، انہی پر اعتماد کرتے تھے۔

البتہ بعض صحابہ ایسے بھی تھے جنہوں نے اجتہاد کے ساتھ تفسیر کی۔ ان میں نمایاں نام عبداللہ بن عباسؓ کا ہے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ، اور اپنی رائے سے تفسیر نقل کی۔ اسی طرح تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا، وہ صحابہؓ سے اقوال نقل کرتے، اور اپنی رائے کا اضافہ بھی کرتے، ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی اسی پر چلیں۔ اس طرح تفسیر بالماثور کا دائرہ صحابہؓ کی روایت سے شروع ہو کر تابعین کی روایت تک وسیع ہوتا گیا۔

تفسیر ماثور کا ذاتی رنگ:

ہر مفسر قرآنِ مجید کی تفسیر اپنے فہم، ذہنی رجحان اور علمی پس منظر کے مطابق کرتا ہے، لہٰذا ہر تفسیری تصنیف اپنے مؤلف کے فکری و ذاتی رنگ سے خالی نہیں ہوتی۔ اگرچہ یہ اثر تفسیر بالرائے میں زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے، تاہم تفسیر بالمأثور میں بھی مفسر کی شخصیت کسی نہ کسی درجے میں نمایاں رہتی ہے۔ مفسر عام طور پر وہی روایات جمع کرتا ہے جو اس کے فکری میلان کے قریب ہوتی ہیں، اور انہی سے آیت کے مفہوم کو جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ قدیم مفسرین کے ہاں اسرائیلیات کی کثرت ان کے علمی و فکری رجحان کی علامت تھی، جبکہ بعد کے مفسرین نے روایت کی صحت اور سند کی جانچ پر زیادہ توجہ دی۔ اس طرح ہر دور کی تفسیری کاوش دراصل اپنے مفسر کی فکری بصیرت اور ذاتی اثرات کا آئینہ بن جاتی ہے۔

تفسیر ماثور کی روایت میں ضعف اور اس کے اسباب:

گزشتہ اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ماثور میں وہ تفسیر شامل ہے جو قرآن کی تفسیر قرآن سے کی گئی ہو، اور وہ تفسیر جو قرآن کی تفسیر سنت سے کی گئی ہو، اور وہ تفسیر جو صحابہؓ کے اقوال پر موقوف ہو یا تابعین سے مروی ہو۔ جہاں تک قرآن کی تفسیر قرآن سے یا صحیح سنت سے ثابت شدہ باتوں سے کی گئی ہو، تو اس کے قبول کرنے میں کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ اس پر ضعف کا اطلاق نہیں ہوتا، اور نہ ہی شک کو اس تک رسائی ملتی ہے۔ اور جہاں تک وہ چیز جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہو اور وہ سند یا متن میں ضعیف ہو، تو وہ مردود اور ناقابل قبول ہے، جب تک کہ اس کی نسبت نبی ﷺ سے صحیح ثابت نہ ہو۔

جہاں تک قرآن کی تفسیر ان روایات سے کی جائے جو صحابہ یا تابعین سے مروی ہیں، تو اس میں خلل داخل ہو چکا ہے، اور اس میں ضعف سرایت کر چکا ہے، یہاں تک کہ اس نے ہمیں ہر اس چیز سے اعتماد کھو دینے کے قریب کر دیا جو اس سے روایت کی گئی ہو، اگر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم ورثے کے لیے ایسے لوگ مقرر نہ کیے ہوتے جنہوں نے ان شکوک و شبہات کو دور کیا، تو اس سے ہمیں ایک قابل قدر مقدار حاصل نہ ہوتی، اگرچہ اس کا صحیح اور ضعیف اب بھی بہت سی کتابوں میں مخلوط ہے جن کے مصاحبوں پر اقوال کو جمع کرنا لازم ہے۔

مروی روایات کی کثرت حد سے تجاوز کر گئی تھی- خاص طور پر ابن عباس اور علی بن ابی طالبؓ سے- یہ علماء کی توجہ کو تحقیق، چھان بین، تنقید اور تصحیح کی طرف مبذول کرانے کا سب سے بڑا عامل تھا، یہاں تک کہ امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے:

لم يثبت عن ابن عباس في التفسير إلا نحو مئة حديث۔(20)

"ابن عباس سے تفسیر میں سو سے زیادہ احادیث ثابت نہیں ہیں۔"

یہ تعداد جو امام شافعی نے ذکر کی ہے، تفسیر میں ابن عباس سے مروی روایات کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ من گھڑت اور جھوٹی روایات نقل شدہ تفسیر میں شامل ہو گئی ہیں۔

ضعف کے اسباب:

مأثور تفسیر (منقول تفسیر) کی روایت میں ضعف کے اسباب کو چند امور سے منسوب کر سکتے ہیں:

اول: تفسیر میں وضع (من گھڑت روایات) کی کثرت۔

دوم: اس میں اسرائیلیات کا داخل ہونا۔

سوم: اسناد کا حذف ہونا۔(21)

اللہ رب العزت نے اپنی کتابِ مقدس اور دینِ متین کی تعلیم، تفہیم اور ترویج کیلئے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا ہے۔ لہٰذا، قرآن کریم کی صحیح تعبیر اور تفسیر وہی مستند اور مسلمہ ہو گی جو سنتِ رسول ﷺ سے سندِ صحیح کے ساتھ ثابت ہو۔ سنتِ رسول ﷺ میں بیان کردہ تفسیر و تعبیر کے خلاف نہ کسی صحابی یا تابعی کی تاویل کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی کسی فقیہ، مجتہد، محدث یا مفسر کے قول کو دلیل بنایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ سنتِ رسول ﷺ صحیح الاسناد ہو، صریح الدلالت ہو، اور اس کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو۔

صحابہ کرام کی تفسیر کی حیثیت:

اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی مستند تفسیر ثابت نہ ہو، تو پھر صحابہ کرامؓ کے آثار کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی جائے گی، کیونکہ انہوں نے براہِ راست اللہ کے منتخب کردہ اور مقرر کردہ معلمِ قرآن سے قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں سیکھے تھے۔ انہوں نے وہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے جن کے بارے میں آیات نازل ہوتی تھیں۔ انہیں آیات کے نزول کا زمانہ بھی معلوم ہوتا تھا، اور وہ معلمِ قرآن کو قرآنی آیات اور دینی احکام پر عمل کرتے ہوئے مشاہدہ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے منتخب کردہ معلمِ قرآن کے اصحاب اور براہِ راست تلامذہ کی تفسیر سے زیادہ مستند تفسیر اور کس کی ہو سکتی ہے؟

صحابہ کے اقوال کی اقسام:

صحابہ کرامؓ کے اقوال و آثار کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ امور جو عقل واجتہاد سے معلوم نہ ہو سکیں:

یعنی وہ باتیں جن کے لیے نقلِ صحیح کی ضرورت ہو، جیسے: علاماتِ قیامت، برزخ اور قیامت کے احوال، ماضی کے واقعات (مثلاً: قصص الانبیاء)، مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات، کسی مخصوص عبادت پر مخصوص ثواب کا وعدہ، کسی مخصوص گناہ پر مخصوص عذاب کی وعید، دیگر غیبی امور۔ اگر ایسی اہلِ کتاب سے نقل کرنے میں معروف نہ ہو۔ اگر راوی اہلِ کتاب سے نقل کرنے کا عادی ہو، تو اس کی روایت کو صحابی کی رائے تصور کی جائے گی۔

۲۔ وہ امور جو عقل وتدبر سے معلوم ہو سکیں:

اگر صحابی نے غور و فکر، تدبر یا اجتہاد سے کوئی بات بیان کی ہو، تو وہ اس کی رائے سمجھی جائے گی۔ صحابی کی رائے کو دیگر مفسرین کے اقوال پر ترجیح حاصل ہے، لیکن اسے سنتِ رسول کی حیثیت حاصل نہیں ہے، اس لیے اس سے اختلاف جائز ہے۔ مثال کے طور پر، بعض مفسرین نے بعض آیات کی تفسیر میں صحابہ کے اقوال کے مقابلے میں دوسرے اقوال کو ترجیح دی ہے۔ البتہ، اگر کسی مسئلے پر تمام صحابہ کا اجماع ثابت ہو (صرف دعویٰ نہ ہو)، تو اس کے خلاف رائے دینا جائز نہیں ہے۔

۳۔ اہلِ کتاب سے ماخوذ روایات

اگر کوئی صحابی اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے علماء یا ان کی کتابوں سے کوئی بات نقل کرے، تو وہ نہ تو سنت کا درجہ رکھتی ہے اور نہ ہی صحابی کی رائے سمجھی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کے اقوال کو محض حکایتاً نقل کرنے کی اجازت دی ہے، لیکن انہیں حجت قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَا حَرَجَ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔(22)

"میری طرف سے لوگوں تک پہنچاؤ، چاہے ایک ہی آیت ہو، اور بنی اسرائیل سے روایات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔"

اسرائیلی روایات کی اقسام اور ان کا حکم:

۱۔ وہ روایات جن کی قرآن وسنت سے تصدیق ہو: انہیں تائید کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے، لیکن ان پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے: توحید اور رسالت محمدی ﷺ کی تصدیق کرنے والی روایات ان کو تائید کے طور پر نقل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے لیکن ان پر استدلال کرنا اور ان کو دلیل کے طور پر نقل کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی موجودگی میں کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے اگر موسی علیہ السلام زندہ ہو جائیں تو ان کے لیے بھی قرآن وسنت کو چھوڑ کر تورات کا اتباع جائز نہیں ہو گا اور عیسی علیہ السلام کا جب نزول ہو گا تو وہ بھی اپنی کتاب انجیل کی بجائے شریعت محمد کا اتباع کریں گے۔

۲۔ وہ روایات جن کی قرآن وسنت سے تردید ہو: انہیں صرف تردید کی غرض سے نقل کیا جا سکتا ہے، ورنہ ان کا بیان جائز نہیں۔ جیسے: شان

الوہیت شان رسالت عصمت انبیاء اور عصمت ملائکہ کے خلاف اسرائیلی خرافات کا نقل کرنا تردید اور تکذیب کے لیے تو جائز ہے البتہ تردید کے بغیر ان کا نقل کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ جھوٹ کی اشاعت کرنا بھی جھوٹ ہے

۳۔ وہ روایات جن کے بارے میں قرآن و سنت خاموش ہوں: انہیں نہ رد کیا جائے گا اور نہ ہی قبول، بلکہ بطورِ حکایت بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دینی فائدے سے خالی نہ ہوں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

وغالب ذلک مما لا فائده فیه تعود الی امر دینی ولہذا یختلف اہل الکتاب فی ہذا کثیرا ویاتی عن المفسرین خلاف بسبب ذالک۔(23)

"ان میں سے زیادہ تر باتیں ایسی ہیں جن کا کوئی دینی فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اہلِ کتاب ان معاملات میں بہت اختلاف کرتے ہیں، اور مفسرین کے درمیان بھی انہی روایات کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ہے۔"

جیسے اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کا رنگ، ان کی تعداد، موسیٰؑ کا عصا کون سے درخت کی لکڑی کا تھا، ان پرندوں کے نام جن کو اللہ تعالی نے ابراہیمؑ کی درخواست پر زندہ کیا تھا اور جن کے تعین میں کسی قسم کا دنیاوی یا دینی فائدہ نہیں ہے۔

تفسیر بالماثور کی فضیلت و اہمیت:

امام ابن کثیرؒ کے مطابق تفسیر کا سب سے درست طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے، کیونکہ جہاں ایک آیت میں اجمال ہوتا ہے وہاں دوسری آیت اس کی وضاحت کرتی ہے۔ اگر قرآن میں وضاحت نہ ملے تو سنتِ رسول ﷺ سے رجوع کیا جائے، کیونکہ سنت بھی وحی ہے اور قرآن کی تشریح کرتی ہے۔

امام شافعیؒ کے بقول رسول اللہ ﷺ کے تمام فیصلے قرآن سے ماخوذ تھے، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے یعنی سنت، جو وحی ہے مگر قرآن کی طرح تلاوت نہیں کی جاتی۔ اگر سنت میں بھی وضاحت نہ ملے تو صحابہ کرامؓ کے اقوال کو ترجیح دی جائے، کیونکہ وہ قرآن کو براہِ راست نبی ﷺ سے سیکھنے والے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اجتہاد کو بھی پسند فرمایا۔ اس لیے اگر قرآن و سنت میں کسی آیت کی تفسیر نہ ملے تو صحابہؓ کے اقوال اور پھر تابعین و معتبر مفسرین کے اجتہادات سے رہنمائی لی جائے۔ اسرائیلی روایات کو صرف احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور تفسیر میں ہمیشہ سند اور درایت کے اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔(24)

نتیجہ:

تفسیر بالماثور قرآن فہمی کا سب سے معتبر ذریعہ ہے، جس کی بنیاد قرآن، حدیث، صحابہ اور تابعین کے منقول اقوال پر ہے۔ یہ تفسیر اپنی سند اور اعتبار کے لحاظ سے دیگر تفسیری طریقوں (مثلاً تفسیر بالرائے) پر فوقیت رکھتی ہے۔

تفسیر بالرائے کی لغوی تعریف:

تفسیر بالرائے ایک طرزِ تفسیر ہے جس میں مفسر اپنی رائے اور اجتہاد سے قرآن کی تفسیر کرتا ہے، لیکن یہ رائے شرعی اصولوں، لغت کے قواعد اور قرآن و سنت کی روشنی میں ہونی چاہیے۔ علامہ زرکشیؒ تفسیر بالرائے کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

لتفسير بالرأى هو تفسير القرآن بالاجتهاد والرأى الشخصى، مع الالتزام بأصول اللغة العربية والشريعة، بشرط ألا يخالف النصوص القطعية من القرآن والسنة والإجماع. وهو مقابل التفسير بالمأثور (المنقول عن النبى ﷺ والصحابة). يُذَمُّ إذا كان مجرّد خيال بلا علم، كما قال النبى ﷺ: «من قال فى القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ» (رواه الترمذى). أما إذا كان مبنياً على دليل شرعى فهو محمود.(25)

"تفسیر بالرائے سے مراد قرآن مجید کی ایسی تفسیر ہے جو اجتہاد اور ذاتی رائے کی بنیاد پر کی جائے، بشرطیکہ مفسر کو عربی زبان، اسبابِ نزول، فقہ اور اصولِ تفسیر پر کامل دسترس ہو۔ یہ تفسیر بالمأثور (منقول روایات) کے مقابل ہے۔ اگر یہ محض خیالی اور بغیر علم ہو تو سخت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث میں وعید آئی: جو قرآن میں بغیر علم کے رائے سے بات کہے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔ لیکن اگر شریعت کے اصولوں کے تابع ہو تو جائز اور مستحسن ہے۔"

تفسیر بالرائے کے بارے میں علماء کا موقف:

تفسیر بالرائے کے جواز کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ علماء اسے حرام جبکہ کچھ جائز سمجھتے ہیں۔

مذموم (ناجائز) قسم: تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں مفسر بغیر کسی دلیل یا برہان کے، یا شرعی اصولوں اور لغت کے قواعد سے ناواقف ہونے کے باوجود اپنی خواہشات اور بدعات کی حمایت میں قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔

محمود (جائز) قسم: اگر مفسر میں مطلوبہ شرائط موجود ہوں، یعنی وہ شرعی اصولوں اور لغت کے قواعد سے واقف ہو اور اپنی رائے کو قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرے، تو ایسی تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(26)

قرآنی ہدایت سے قربت:

اگر تفسیر قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو وہ محمود ہے اور اگر بعید ہو تو مذموم ہے۔ جب مفسر میں مطلوبہ شرائط موجود ہوں تو تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن بذات خود آیات کے ادراک و فہم میں اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔(27)

"کیا قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟"

مزید فرمایا گیا:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ۔(28)

"یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے، تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں۔"

بہر کیف امام سیوطیؒ نے علامہ زرکشیؒ کی کتاب "البرہان" سے کچھ شروط نقل کی ہیں جن کا پایا جانا تفسیر بالرائے کی اباحت کے لیئے ضروری ہے۔ اباحت کی چار شروط حسب ذیل ہیں:

ا۔ پیغمبر سے منقول ہو مگر ضعیف اور موضوع روایت نہ ہو۔

۲۔ صحابہ اکرمؓ سے منقول ہو۔ اس لئے کہ قول صحابیؓ کو بھی مرفوع کا درجہ حاصل ہے۔ بعض علماء کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اقوال صحابہ جو اسباب نزول کے بارے میں منقول ہوں اُن کو حدیث مرفوع کا درجہ حاصل ہے، اس لیے کہ اس میں انسانی رائے کا کچھ دخل نہیں ہے؟

۳۔ لغت پر اعتماد کیا جائے مگر آیات سے وہ معنی مراد نہ لئے جائیں جو عرب میں کثیر الاستعمال نہ ہوں۔

۴۔ مقتضیات کلام سے استدلال کیا جائے، بشرطیکہ شرعی قانون اس پر دلالت کرتا ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے میں دعا فرمائی تھی کہ "اے اللہ اس کو دین کا فہم عطا کر اور قرآن کی تاویل سکھادے۔"(29)

تفسیر بالرائے کے تعارض کی توجیہ

قرآن کے علوم و معارف کو سمجھنے کے لئے تدبر و تفکر اور عقل واجتہاد کے ذریعے کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ شرعاً مطلوب بھی ہے۔ اور قرآن و سنت کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے رائے کا استعمال صحابہ و تابعین سے ثابت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو اجتہاد بالرائے کی اجازت ہی نہیں دی تھی بلکہ اس کی تحسین بھی فرمائی تھی لیکن اجتہاد بالرائے کی تحسین کرنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

مَن قال فی القرآن بغیر علم فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار۔(30)

"جس شخص نے قرآن کی تفسیر میں علم کے بغیر کوئی بات کی ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنادے۔"

دوسری حدیث میں آیا ہے:

مَن تكلم فی القرآن بَرَأيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔(31)

"جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اپنی عقل سے کوئی بات کہی اور درستگی کو پہنچ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔"

جو شخص قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کوئی بات کرتا ہے تو اگر اس نے صحیح بات معلوم کر لی ہو پھر بھی وہ غلطی پر ہے، اسی طرح متعدد صحابہ و تابعین اور سلف صالحین سے آثار مروی ہیں کہ انہوں نے تفسیر بالرائے سے احتراز کیا ہے اور اس کی مذمت کی ہے، اشکال یہ ہے کہ ایک طرف فکر و عقل کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی تعریف و تحسین کی گئی ہے اور دوسری طرف قرآن کی تفسیر بالرائے پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے تو آخر اس تعارض کے ازالے کی توجیہ کیا ہے؟

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ نے اس مضمون کی احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد دونوں قسم کی روایات کے درمیان تطبیق کے بارے میں فرمایا ہے:

فہذہ الآثار الصحیحة وما شاکلہا من أئمة السلف محمولة علی تخرجہم عن الکلام فی التفسیر بما لا علم لَہُم بِہِ فاما من تعلم بما یعلم من ذالک لغة وشرعا فلا حرج علیہ ولہذا روی عن ہؤلا وغیرہم أقوال فی التفسیر ولا مُنَافَاةَ لِأَنَّہُمْ تکلموا فیما علموہ وسکتوا عما جہلوہ وہذا ہو الواجب علی کلّ اَحَدٍ۔(32)

"یہ آثار صحیحہ اور ائمہ سلف سے منقول اس طرح کے دوسرے آثار اسی پر محمول ہیں کہ انہوں نے قرآن کی تفسیر کے بارے میں وہ بات کرنے سے احتراز کیا ہے جس کا اُن کے پاس علم نہیں تھا، اور جو شخص اس بارے میں وہ بات کرتا ہے جس کا اُس کے پاس لغۃً وشرعاً علم موجود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کے بارے میں سلف سے مختلف آراء اقوال منقول ہیں اور اس میں کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے اس لئے کہ یہ جس بات کو جانتے تھے اس کا ذکر انہوں نے کیا ہے اور جس بات کو نہیں جانتے تھے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، اور ہر شخص پر یہی طریقہ اختیار کرنا واجب ہے۔"

ابن کثیرؒ کی اس توجیہ کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ الفاظ و کلمات کے لغوی اور شرعی معانی کو نظر انداز کر کے اور تفسیر کے مذکورہ بالا اصول ستہ سے آنکھیں بند کر کے برہان و دلیل کے بغیر رائے مجرد اور ہوائے نفس کے مطابق تفسیر کرنا ممنوع ہے اور موجب عذاب ہے اس لئے کہ اس طرز فکر کا مقصد تلاش حق نہیں ہوتا بلکہ اپنے زیغ قلبی اور ہوائے نفس کا ثبوت تلاش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو اگر اس کی بات اتفاقیہ طور پر صحیح بھی ہو پھر بھی وہ غلطی پر ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے راستہ غلط اختیار کیا ہے کہ محض استحسان عقلی کی بنیاد پر اصولِ تفسیر کو پس پشت ڈال کر تفسیر کر رہا ہے۔

امام قرطبیؒ نے "ابن الانباری" سے تفسیر بالرائے کے متعلق فرماتے ہیں:

من قال فی القرآن قَوْلاً یَعْلَمُ أَنَّ الْحَقِّ غَیْرُہُ فَلْیَتَبُوءُ مَقْعَدَہ من النار فَحَمَل بعضُ أَہْلِ الْعِلم ہذا الحدیث علی أن الرأی مَعْنِی بِہِ الہَوی من قال فی القرآن قولاً یُوافِقُ ہَوَاہُ لَمْ یَأخُذہ عن ائمة السلف فَأَصَابَ فقد أخطأ لحکمه علی القرآن بما لا یعرف أصله۔(33)

"جس نے قرآن میں ایسی بات کہی جس کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ حق بات دوسری ہے، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ بعض اہلِ علم نے اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ یہاں "رائے" سے مراد "ہَویٰ (خواہشِ نفس)" ہے؛ یعنی جو شخص ایسی بات کرے جو اس کی خواہشِ نفس کے موافق ہو اور ائمۂ سلف سے ماخوذ نہ ہو، تو اگر وہ بات صحیح بھی ہو تب بھی خطا ہے، کیونکہ اس نے قرآن کی طرف وہ حکم منسوب کیا ہے جس کی بنیاد اس کو معلوم نہیں۔"

قرطبیؒ نے ابن عطیہ غرناطی کی توجیہ نقل کی ہے کہ اگر کسی شخص سے قرآن کے کسی معنی کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ علماء کے اقوال، علم نحو اور اصول تفسیر کو نظر انداز کر کے اپنی رائے سے جواب دے، تو یہ غلط ہے۔ لغت، نحو اور فقہ کے اصولوں کے مطابق اجتہاد سے کی گئی تفسیر درست اور قابل تعریف ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اصولِ تفسیر کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش یا وہم کے مطابق تفسیر کرنا تفسیر بالرائی المذموم ہے، جبکہ قواعد واجتہاد کے مطابق قرآن کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا تفسیر بالعقل والاجتہاد ہے اور اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

تفسیر بالرائے کی شرائط:

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ رائے کا اطلاق اعتقاد، اجتہاد اور قیاس پر ہوتا ہے، اور اسی سے اصحاب الرائے یعنی اصحابِ قیاس مراد ہیں۔ یہاں رائے سے مراد اجتہاد ہے، اس بنا پر تفسیر بالرائے کا مطلب ہے قرآن کی تفسیر اجتہاد کے ذریعے کرنا۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربوں کی گفتگو اور طرزِ بیان سے واقف ہو، عربی الفاظ اور ان کے معانی کی پہچان رکھتا ہو، جاہلی شاعری سے مدد لے، اسبابِ نزول سے آگاہ ہو، قرآن کی ناسخ و منسوخ آیات کا علم رکھتا ہو، اور وہ تمام علوم جانتا ہو جن کی مفسر کو ضرورت ہوتی ہے۔

تفسیر بالرائے (محمود) کی اہمیت:

قرآن کی گہرائی کھولنا: قرآن میں مجمل، متشابہ اور عام آیات ہیں۔ رائے سے ان کی تشریح سے معانی واضح ہوتے ہیں۔

دورِ حاضر کے مسائل کا حل: جدید مسائل (سائنس، معاشرت، معیشت، طب، اے ای) پر قرآن کی روشنی ڈالنا۔

اسلامی فکر کی ترقی: فقہ، کلام اور تصوف میں پیشرفت۔ امام رازی کی "مفاتیح الغیب" جیسی تفاسیر نے فلسفہ اور سائنس کو قرآن سے جوڑا۔

امت کی رہنمائی: بغیر رائے کے تفسیر صرف ماثور تک محدود رہتی، جو تمام مسائل کا احاطہ نہیں کرتی۔ رائے سے دین زندہ اور متحرک رہتا ہے۔

اختتامیہ:

قرآنِ مجید کی اصل اور قابلِ اعتماد تفسیر وہی ہے جو وحی (قرآن و حدیث)، صحابہ و تابعین کے اقوال اور معتبر اصولِ تفسیر کی روشنی میں کی جائے۔ تفسیر بالرائے اگر علم، تقویٰ اور شرعی اصولوں کے تحت ہو تو جائز اور مفید ہے، مگر اگر خواہشِ نفس یا بغیر علم کے کی جائے تو یہ قابلِ مذمت اور حرام ہے۔ لہٰذا صحیح تفسیر وہ ہے جو نقل (ماثور) اور عقلِ سلیم (اجتہاد بااصول) کے درمیان اعتدال کو قائم رکھے، نہ صرف ظاہری الفاظ تک محدود ہو اور نہ ہی بے لگام رائے پر مبنی ہو۔

حوالہ جات

(1) الراغب الأصفهاني، المفردات في غريب القرآن، بیروت، دار القلم، 1992، ص 371

(2) ابن منظور، محمد بن مكرم، لسان العرب، بیروت، دار صادر، 1994، جلد 5، ص 54

(3) القرآن الکریم سورۃ الفرقان، آیت 33

(4) الزرقانی، محمد عبد العظیم، مناهل العرفان في علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، 1996، جلد 1، صفحہ 14

(5) الزرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرہان فی علوم القرآن، قاہرہ، دار الفکر، 1957، جلد 1، صفحہ 13

(6) ابو حیان الاندلسی، محمد بن یوسف، البحر المحیط فی التفسیر، بیروت، دار الفکر، 1992، جلد 1، صفحہ 10

(7) البحر المحیط فی التفسیر، محولہ بالا، جلد 1، صفحہ 10

(8) مولانا گوہر رحمن، علوم القرآن، مردان، مکتبہ تفہیم القرآن، 2003، جلد 2، صفحہ 612

(9) البرہان فی علوم القرآن، محولہ بالا، جلد 1، صفحہ 13

(10)سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، 1987، جلد2، صفحہ 174

(11)لسان العرب، محولہ بالا، جلد4، صفحہ 5

(12)الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاؤیل آی القرآن، بیروت، دار المعرفۃ، 2001، جلد1، صفحہ 72

(13)ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، قاہرہ، مکتبۃ ابن تیمیہ، 1971، صفحہ 93

(14)الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، جلد2، صفحہ 176

(15)الزرقانی، محمد عبد العظیم، مناہل العرفان فی علوم القرآن، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیۃ، 1957، جلد2، صفحہ 48

(16)الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، جلد2، صفحہ 178

(17)القشیری، مسلم بن حجاج ابو الحسن، صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، کتاب الإیمان، باب بیان قول النبی ﷺ الظلم شرک وبیان ما یتعلق بہ، رقم الحدیث 124

(18)بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، بیروت، دار طوق النجاۃ، 2001، کتاب التفسیر، باب اذا جاء نصر اللہ والفتح، رقم الحدیث 4970

(19)مقدمۃ فی أصول التفسیر، محولہ بالا، صفحہ 40

(20)الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، جلد2، صفحہ 187

(21)ذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1991، جلد1، صفحہ 152-157

(22) صحیح بخاری، محولہ بالا، کتاب کتاب احادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، رقم الحدیث 3461

(23)مقدمۃ فی اصول التفسیر، محولہ بالا، صفحہ 24

(24) گوہر رحمان، مولانا، علوم القرآن، مردان، مکتبہ تفہیم القرآن، 2003، جلد2، صفحہ 303-308

(25)زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ، البرہان فی علوم القرآن، قاہرہ، دار التراث، 1984، جلد2۔ صفحہ 41

(26)التفسیر والمفسرون، محولہ بالا، جلد1، صفحہ 255-263

(27)القرآن الکریم، سورۃ محمد، آیت 24

(28)القرآن الکریم، سورۃ ص، آیت 29

(29) صُبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، فیصل آباد، ملک سنز پبلشر، 2007، صفحہ 415-416

(30) تبریزی، ولی الدین، مشکاۃ المصابیح، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2000، کتاب العلم، باب: وعید علی التفسیر بالرائی، حدیث نمبر 234.۔

(31) سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی وداؤد، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، س ن، کتاب العلم، باب الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم، رقم الحدیث 3652

(32)ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1998، جلد1، صفحہ 11

(33)علوم القرآن، محولہ بالا، جلد2، صفحہ 384

References

(1) Al-Raghib al-Isfahani, al-Mufardat fi Gharib al-Qur’an, Beirut, Dar al-Qalam, 1992, p. 371
(2) Ibn Manzoor, Muhammad bin Makram, Lasan al-Arab, Beirut, Dar Sadr, 1994, volume 5, p. 54
(3) Al-Qur'an al-Kareem, Surah al-Furqan, verse 33
(4) Al-Zarqani, Muhammad Abd al-Azeem, Manahl al-Irfan fi Ulum al-Qur’an, Beirut, Dar al-Fikr, 1996,

volume 1, page 14
(5) Al-Zarkashi, Badr al-Din Muhammad bin Abdullah, al-Barhan fi Ulum al-Qur'an, Cairo, Dar al-Fikr, 1957, volume 1, page 13
(6) Abu Hayyan al-Andalsi, Muhammad bin Yusuf, Al-Bahr al-Muhait fi al-Tafseer, Beirut, Dar al-Fikr, 1992, vol. 1, p. 10
(7) Al-Bahr al-Muhayt fi al-Tafseer, Muhulah Bala, Volume 1, Page 10
(8) Maulana Gohar Rahman, Uloom al-Quran, Mardan, Maktaba Tafheem al-Quran, 2003, Vol. 2, Page 612
(9) Al-Burhan fi Uloom al-Quran, translated above, Vol. 1, Page 13
(10) Suyuti, Jalal al-Din Abd al-Rahman bin Abi Bakr, Al-Itqan fi Uloom al-Quran, Beirut, Dar al-Fikr, 1987, Vol. 2, Page 174
(11) Lisan al-Arab, translated above, Vol. 4, Page 5
(12) Al-Tabari, Muhammad bin Jarir, Jami' al-Bayan an Ta'wil ai-Quran, Beirut, Dar al-Marfa, 2001, Vol. 1, Page 72
(13) Ibn Taymiyyah, Ahmad bin Abdul Halim, Muqaddam fi Usul al-Tafsir, Cairo, Maktaba Ibn Taymiyyah, 1971, Page 93
(14) Al-Itqan fi Uloom al-Quran, translated above, Vol. 2, page 176
(15) Al-Zarqani, Muhammad Abdul-Azeem, Manahil-ul-Irfan fi Ulum al-Quran, Cairo, Dara Hayya al-Kutb al-Arabiya, 1957, vol. 2, page 48
(16) Al-Itqan fi Ulum al-Quran, quoted above, vol. 2, page 178
(17) Al-Qushayri, Muslim bin Hajjaj Abu al-Hasan, Sahih Muslim, Beirut, Dara Hayya al-Turahat al-Arabiya, Sunan, Kitab al-Iman, Chapter: Explaining the Sayings of the Prophet (peace and blessings of Allaah be upon him), injustice, polytheism and explaining what is related to it, Hadith number 124
(18) Bukhari, Muhammad bin Ismail, Sahih Bukhari, Beirut, Dara Tuq al-Najat, 2001, Kitab al-Tafseer, Chapter: If Allah's victory and victory come, Hadith number 4970
(19) Muqaddamah fi Usool al-Tafseer, quoted above, page 40
(20) Al-Itqan fi Ulum al-Quran The Quran, quoted above, vol. 2, p. 187
(21) Dhahabi, Muhammad Hussain, Tafsir and Mufassir, Beirut, Dar Ihya al-Turat al-Arabi, 1991, vol. 1, p. 152-157
(22) Sahih al-Bukhari, quoted above, Kitab al-Ahadith al-Anbiya, chapter Ma dhikr an Bani Israel, hadith no. 3461
(23) Muqaddam fi usul al-tafsir, quoted above, p. 24
(24) Gohar Rahman, Maulana, Ulum al-Quran, Mardan, Maktaba Tafheem al-Quran, 2003, vol. 2, p. 303-308
(25) Zarkashi, Badr al-Din Muhammad bin Abdullah, Al-Burhan fi Ulum al-Quran, Cairo, Dar al-Turat, 1984, vol. 2, p. 41
(26) Tafsir and Mufassir, quoted above Above, Volume 1, Pages 255-263
(27) The Holy Quran, Surah Muhammad, Verse 24
(28) The Holy Quran, Surah Suad, Verse 29
(29) Subhi Saleh, Dr., Uloom Al-Quran, Faisalabad, Malik Sons Publisher, 2007, Pages 415-416
(30) Tabrizi, Waliuddin, Mishkat Al-Masabih, Beirut: Darul Kitab Al-Ilmiyah, 2000, Kitab Al-Ilm, Chapter: Wa'id Ali Al-Tafsir Bil-Ra'i, Hadith No. 234. .
(31) Sajistani, Sulaiman Ibn Isha'at, Sunan Abi Wa Dawood, Al-Muktab Al-Asriyyah, Beirut, Sun.
(32) Ibn Kathir, Imad al-Din Abu al-Fida Ismail, Tafsir al-Qur'an al-Azeem, Beirut, Dar al-Kutub Al-Alamiya, 1998, volume 1, page 11
(33) Al-Qur'an Uloom, Ibid, Volume 2, Page 384